سلسلۂ اشاعت نمبر ۸۱

امام احمد رضا کی شانِ تجدید

از: پاسبانِ ملّت حضرت علّامہ مولانا

مشتاق احمد صاحب نظامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بفیض حضور مفتی اعظم حضرت علّامہ

شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شائع کردہ

رضا اکیڈمی

۲۶، کامبیکر اسٹریٹ، بمبئی ۳

سازگار بنانے میں یا یوں کہہ لیجئے کہ نظامِ شریعت کے سانچے میں ڈھال دینے کی انتھک کوشش کرتا رہا۔ اس سلسلے کی سب سے پہلی کڑی حضرت عمر ابن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے اور مجدد دین کی آخری کڑی میں جس کو نامزد کیا جاسکتا ہے وہ تاجدار اہل سنّت مجدد مأیۃ حاضرہ اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا نام نامی ہے۔

حضرت عمر ابن عبد العزیز اور اعلیحضرت کی درمیانی صدیوں میں امام شافعی، امام فخر الدین رازی، امام غزالی، ابوبکر باقرقلانی، یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے مجدد الف ثانی جیسے بلند پایہ حضرات اپنے اپنے وقت میں احیائے دین فرماتے رہے اور قریب قریب ہر ایک کی تاریخ میں یہ قدر مشترک نظر آئے گا کہ آسمان ہدایت کے ان چمکتے ہوئے ستاروں پر غبار ڈالنے کی کوشش کی گئی مگر (الحق یعلو ولا یعلیٰ) حق خود بلند ہوتا ہے ———— وہ کسی کے بلند کرنے سے عظمت و رفعت کے چٹان پر نہیں پہنچتا اور نہ تو کسی باطل کی ہوا خیزی سے اُس کی صداقت پر پردہ پڑتا ہے دُنیا کی فرعونی وطاغوتی طاقتوں نے ان کا مقابلہ کیا آخرش ایک صبح ایسی نمودار ہوئی جس کی روشنی پر تاریکی کا پردہ نہ پڑسکا اور اُن کے کارہائے نمایاں کے سامنے غیروں کی بھی گردنیں جھک گئیں چنانچہ تاجدار اہلسنّت کے متعلق آج بھی مخالفت کے باوجود اکابر علماء دیوبند یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ جو کچھ بھی ہو مولانا احمد رضا خاں صاحب قلم کے بادشاہ تھے جس مسئلہ پر قلم اٹھایا اُس کا کوئی گوشہ بھی تشنہ نہ چھوڑا۔

---

(۳) قلم کی پختہ کاری کا اعتراف ہی اعلیحضرت کی شان تجدید پر روشن دلیل ہے۔ چونکہ امام اہل سنّت کا مجدّد ہونا حسن صورت یا امارت وریاست یا کثرت تلامذہ وحلقۂ ارادت کی وسعت، غرض کہ اس قسم کے دوسرے عوارضات پر مبنی نہیں بلکہ کشور علم کا تاجدار جس وقت سیف قلم لیکر رزمگاہ حق وباطل میں اترا ہے اپنے تو اپنے غیروں نے بھی گھٹنے ٹیک دیئے۔ اور تجدید نام ہی

ہے انسان کی اسی صفت راسخہ کا جس کی قوت سے وہ وقت کی بڑی سے بڑی طاقت پر قابو یافتہ ہو کر حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کھینچتا ہے۔ یہی وہ جوہر ہے جو اعلیحضرت کی تصنیف و تالیف، تقریر و تحریر میں نمایاں حیثیت سے اجاگر ہے اور اس جوہر گرانمایہ سے ہر اس شخص کا دامن نہیں پر ہو سکتا جس نے درس نظامیہ کی کتب متداولہ کی حرف بہ حرف تعلیم حاصل کی ہو بلکہ یہ خدا کی ایک بخشی ہوئی طاقت ہے جو احیائے سنّت کی خاطر کسی برگزیدہ بندے کو دی جاتی ہے (ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ) یہ اللہ کا ایک فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ انھیں برگزیدہ شخصیتوں میں فاضل بریلوی کا بھی نام نامی ہے

---

(۴) الحاد و بے دینی کی ہیبت فضا، کفر و شرک کی گھنگھور گھٹا، نجدیت و وہابیت کی مطلق العنان مارکیٹ جس میں شرک و بدعت "ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا" کی جگہ لے چکی تھی۔ بات بات پر شرک و بدعت کے فتوے دیئے جاتے۔ استمداد و ندا و میلاد و قیام، ختم نبوت و علم غیب جیسے قطعی الدلائل مسائل پر نہ صرف قیل و قال کے دروازے کھل گئے تھے، بلکہ اخبار و پریس کی طاقت و نیز حکومت وقت کے ایماء و اشارے پر سچے پکے مسلمانوں کو بدعتی و مشرک کہا جاتا تھا اور یہ فتوے کیوں نہ دیئے جاتے (سیّاں بھئے کوتوال اب ڈر کا ہے کا ہے) انگریزوں سے ساز باز تھا۔ علمائے اہلسنّت اپنی پوری طاقت سے انگریزی سامراج کو مٹانا چاہتے تھے، چنانچہ مجاہد جلیل حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتوائے صادر فرما چکے تھے جس کی پاداش میں دریائے شور کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں اور بہت سے حق پرست مسلمانوں کو پھانسی کے تختہ پر لٹکا دیا گیا۔ علمائے اہلسنّت کا شیرازہ منتشر تھا، یکجہتی ختم ہو چکی تھی، تنظیم ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی ایک دوسرے کے حالات سے بے خبر و ناآشنا تھے۔ اور ملک کی دوسری فتنہ انگیز جماعت انگریزوں کے ہاتھ کٹھ پتلی بن چکی تھی، برطانیہ گورنمنٹ کی نوازشات سے دامن بھرپور تھا، موقع غنیمت جان کر عقائد کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ اب ان کے پاس دارالعلوم تھا اور

جمعیتہ کا جتھا بھی تھا، طفلِ مکتب مصنف بن چکے تھے۔ ہر کتاب پر ہنگامہ ہوتا۔ ہر عبارت پر مکالمہ بازی کا بازار گرم ہوتا۔ حفظ الایمان کی ایک گندہ و توہین آمیز عبارت پر بسط البنان، توضیح البیان، مکالمتہ الصدرین جیسے نہیں معلوم کتنے رسالے و پمفلٹ کوچہ و بازار میں آچکے تھے کسی طرح عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنا تھا اس لئے نئے نئے شگوفہ کھلانا اور نئی نئی پھلجھڑی جھڑانا مصلحت وقت کا عین تقاضا تھا۔ کبھی علمِ غیب پر حملہ ہے، تو کبھی ختم نبوت پر، کبھی شانِ نبوت کی تنقیص ہے، تو کبھی عظمت ولایت کی توہین۔

(۵) غرض کہ زمینِ ہند ماتم گسار تھی، چرخ کہن نوحہ گر تھا۔ قدسی صفات فرشتے رحمتِ باری کے منتظر تھے اہلسنّت کا کلیجہ زخموں سے چور تھا حق پرستوں کی آنکھ ساون بھادوں کی جھڑی تھی عقیدت مندوں کا سینہ نالاں کناں تھا۔ رسول پاک کے فدائی ماہئی بے آب تھے۔ حرمت نبوّت پر جان دینے والے کراہ رہے تھے عظمت ولایت پر مرمٹنے والے سسک رہے تھے، اس طرف اغثنی یارسول اللہ کے نعرے تھے۔ یاغوث المدد کی صدائیں تھیں اور دوسری طرف انگریزوں کی گود میں بیٹھ کر تیر و کمان کی مشق جاری تھی ——— مقابلہ آسان نہ تھا نجدیت کے علاوہ ان سفید چمڑے والوں سے بھی مقابلہ تھا جن کا دل توے کی کالکھ سے زیادہ سیاہ اور سنگریزوں سے زیادہ سخت تھا۔

---

(۶) مگر مرد مومن کی آہ رنگ لاکر رہی، اہلسنّت کے آنسو رحم و کرم کی موسلادھار بارش بن کر رہے، یہاں تک کہ سرزمینِ بریلی کا مقدر اوجِ ثریا سے بھی بلند ہوا شبِ دیجور کے پردے چاک ہوئے، پو پھٹی، اگگر نمودار ہوئی، کرن ضیا پاش ہوئی، آسمان ہدایت پر ایک ستارہ چمکا، بزم علم میں ایک روشن چراغ منور ہوا۔ چمنستان مجددیت میں ایک شاداب پھول کھلا جس نے عرب و عجم کو چمکایا اور جنوب و شمال کو اپنی عطر بیزیوں سے مہکایا، آیا کون آیا، وہ وہی جس پر دنیائے سنیّت عقیدت کے ہار چڑھاتی ہے، ہاں وہ آیا، جو سفینۂ سنیّت کا ناخدا بنکر آیا، جو قلم کا بادشاہ اور زبان کا دھنی بن کر آیا۔

جس کو ہماری زبان میں تاجدار اہلسنّت مجدد دین وملّت اعلیحضرت عبد المصطفےٰ

مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نامی سے یاد کیا جاتا ہے جن کا نام آج بھی زندہ ہے اور قیامت کی صبح تک ان کی عظمت وشوکت کی پرچم کشائی ہوتی رہے گی۔

---

(۷) ویسے تو اعلیحضرت کی زندگی پیکر علم وعمل تھی۔ علمائے عرب وعجم نے خراجِ عقیدت پیش کیا، جس کی ادنیٰ شہادت "حسام الحرمین" ہے۔ جس میں علمائے عرب نے اعلیحضرت کے فتاوے کی نہ صرف تصدیق فرمائی بلکہ آپ کے علمی فضل وکمال کا اعتراف کرتے ہوئے تقریظات کا حصہ بھی شامل فرمایا۔ لیکن آج ہمیں اس مسئلہ پر توجہ کرنی ہے کہ وہ کون سے خصوصی علل واسباب ہیں جس کی بنا پر دنیا امام اہلسنت کو مجدد ماننے پر مجبور ہے۔

اس موقع پر مجھے اپنی بے مائگی کا پورا پورا احساس ہے کہ میں ایسی سنگلاخ زمین میں قدم رکھ رہا ہوں جس کا میں قطعی طور اہل نہیں۔ محترم مخلص مفتی ظفر علی صاحب نعمانی پرنسپل دار العلوم امجدیہ کراچی کا مرسلہ پیکٹ جس وقت مجھے موصول ہوا اور کتاب کے سرورق "حیاتِ اعلیحضرت" پر نظر پڑی تو وفور شوق میں اوراق گردانی کرنے لگا مگر اپنی حرماں نصیبی کہ جس عنوان کا متلاشی تھا وہ مجھے نہ مل سکا یعنی اعلیحضرت کی شان تجدید، میرے خیال میں جلد اوّل کا سب سے اہم اور ضروری باب یہی تھا کہ اعلیحضرت کی مجددیت پر سیر حاصل گفتگو کی جاتی، اُس کے بعد زندگی کے دوسرے گوشوں پر روشنی ڈالی جاتی، ہوسکتا ہے بعد کے دوسرے نسخوں میں حضرت ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین رحمتہ اللہ علیہ پرنسپل جامعہ لطیفیہ کٹیہار نے اس خصوصی مسئلہ پر گفتگو فرمائی لیکن اگر ایسا نہ ہوسکا تو مکتبہ کراچی کو چاہئے کہ وہ موصوف سے اس عنوان پر ایک علمی وتحقیقی مقالہ لے کر دوسری یا تیسری جلد میں شامل کردے ورنہ میری نگاہ میں "حیات اعلیحضرتؒ" کو ایک عالم وفاضل کی تاریخ تو کہی جائے گی مگر وہ کسی مجدد کی تاریخ نہ بن سکے گی۔ ضرورت ہے کہ اعلیحضرت کی شان تجدید پر محققانہ گفتگو کی جائے۔ یہ تنقید وتبصرہ نہیں بلکہ اپنی رائے ناقص کا اظہار ہے۔

گر قبول افتد زہے عز وشرف

(۸) اعلیحضرت کے عہد زندگی پر مختلف لوگوں نے اپنے اپنے انداز سے گفتگو کی ہے لیکن وہ کیا نہ تھے میری نگاہ میں اعلیحضرت چمنستان علم وادب کے ایسے شاداب بے مثل گلدستہ ہیں جس کی وجہ سے انہیں مجمع محاسن اور جامع کمالات کہا جا سکتا ہے۔ متبحر عالم، جیّد فاضل، مفتیٔ دوراں، مناظرِ اعظم، فقیہ زماں، ماہر فلکیات، جامع معقول ومنقول، آفتاب شریعت، ماہتاب طریقت۔ غرض کہ عربی گرامر سے لے کر ادب، معانی وبیان وبدیع، فقہ، تفسیر وحدیث، منطق وفلسفہ، علم جفر، تکسیر ہئیات وریاضی سب پر یکساں نگاہ تھی اور ہر ایک میں ایسی دستگاہ کامل حاصل تھی کہ کوئی ہم عصر اس باب میں آپ کا ہم پلہ نہیں لیکن ان تمام محاسن کے ساتھ ایک اور بھی ایسی وہبی ووجدانی طاقت قدرت کی طرف سے ودیعت تھی جو اعلیحضرت اور آپ کے دوسرے ہم عصر علماء کے درمیان خط فاصل کھینچتی ہے، وہ ہے آپ کا مجدد کامل ہونا۔

---

(۹) ایک مجدد کی تاریخ کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے گردوپیش کے ماحول پر کڑی نگاہ رکھی جائے تاوقتیکہ اس کے صحیح ماحول کا اندازہ نہ ہو سکے گا اس وقت تک اس کے کار تجدید پر بحث کرنی دشوار ہوگی۔

اعلیحضرت کی زندگی کا خلاصہ یا نچوڑ احقاق حق والبطال باطل ہے زندگی سے مراد آپ کی تصنیف وتالیف تقریر وتحریر اور روایات جو یکے بعد دیگرے ہم تک پہنچی ہیں۔ جہاں تک ردّ وہابیہ کا تعلق ہے اس خصوص میں اعلیحضرت کے متقدمین میں علامہ فضل حق خیرآبادی ومولانا فضل رسول بدایونی کا بھی نام لیا جا سکتا ہے۔ لیکن علامہ فضل حق کی تاریخ پر اُن کا مجاہدانہ کردار اتنا غالب ہے کہ زندگی کے دوسرے نقوش کا نگاہ اوّل جائزہ لے سکتی اور مولانا فضل رسول بدایونی کی زندگی پر تصوف وکشف وکرامات کی ایسی حسین غلاف چڑھی ہے کہ زندگی کے دوسرے نقوش خود بخود اس میں گم ہو جاتے ہیں۔ علامہ فضل حق خواص کی نگاہ میں ایوان معقول کے شیکسپیئر سمجھے جاتے ہیں اور تاریخ میں طبقہ کی نظر میں آزادیٔ ہند کے تاجدار اوّل تصور کئے جاتے ہیں مولانا فضل رسول بدایونی علماء کے طبقہ میں جیّد عالم اور عقیدتمندوں کے جھرمٹ میں مرشد کامل کی جگہ پاتے ہیں لیکن امام اہل سنت مولانا احمد رضا

خاں صاحب عالم شریعت، شیخ طریقت، متعلم و معلّم، راعی و رعایا، حاکم و محکوم، ایک پروفیسر و پرنسپل سے لے کر تاجر و مل مزدور تک کی نگاہ میں مجدد کامل سمجھے جاتے ہیں۔

---

(۱۰) میں نے متقدمین کی فہرست میں کسی اور کا اضافہ اس لئے نہیں کیا چونکہ اصول موازنہ کا آئینی تقاضا ہے کہ نقاد کا نقاد سے طبیب کا طبیب سے اور پروفیسر کا پروفیسر سے موازنہ کیا جائے۔ غرض کہ دو ایسے مقابل جو کسی ایک صف میں شریک ہوں یا امکان شرکت ہو، ایسی ہی شخصیتوں کو ایک دوسرے کے مقابل لایا جاسکتا ہے چونکہ اعلیحضرت کے کار تجدید میں نمایاں پہلو عقائد باطلہ کی تردید کو حاصل ہے اور اس بارے میں اگر کسی کو آپ کا شریک و سہیم قرار دیا جاسکتا ہے تو علامہ فضل حق اور مولانا فضل رسول بدایونی کو، لیکن ان دونوں کی زندگی میں یہ حصّہ جزوی حیثیت سے نظر آتا ہے اور اعلیحضرت کی پوری زندگی احیائے سنّت اور ردو ابطال کی آئینہ دار ہے۔ یہ موازنہ من حیث تجدید نہیں ہے، بلکہ محض ردِ وہابیہ کے مخصوص شعبہ سے متعلق ہے۔

امام اہل سنّت کا کار تجدید ۱۴ برس کی عمر سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا، اوائلِ عمر میں جو داغ بیل ڈالی گئی زندگی کے آخری حصّے تک پروان چڑھتی رہی۔ اللہ اکبر! نہ پوچھئے اس مرد حق بیں کی مجاہدانہ تاریخ کہ زمینِ ہند پر نہ معلوم کتنے صاحب کمال آسمان بن کر چھائے تھے مگر شیر حق کی ایک گرج نے زمینِ ہند کی کایا پلٹ دی۔

---

(۱۱) فرنگی محل کی عظیم ترین شخصیت جس کو آثار السلف کہا جاسکتا ہے حضرت مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ وہ کبھی سیاسیات کا بہتا ہوا دھارا نہ سمجھ سکے۔ جس وقت ہندوستان کے محبوب لیڈر مولانا محمد علی اور ان کے دوسرے حواریین تحریکِ خلافت کی قیادت اپنے ہاتھ لئے تھے اور کانگریس کے مایۂ ناز لیڈران بھی ترکی و برطانیہ جنگ کے احتجاج میں ہندی مسلمانوں کے دوش بدوش تھے، ایسے نازک وقت میں حضرت مولانا عبدالباری صاحب رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ تحریکِ خلافت کے ایک جنر

بن گئے تھے لیکن اعلیٰحضرت کی عاقبت اندیش نگاہ مستقبل سے نا آشنا نہ تھی چنانچہ حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کو وحید عصر حضرت مولانا عبد الباری علیہ الرحمہ کی خدمت گرامی میں بھیجا گیا کہ مولانا اپنے الفاظ سے رجوع فرمالیں۔ قربان جائیے ان حق پرستوں کی للّٰہیت پر کہ نہ توتوبہ لینے والے کو کسی شخصیت کے سامنے جھجک اور نہ تو رجوع کرنے والے کو کسی قسم کی شرم و عار۔ یہ ہے اعلیٰحضرت کی وہ جرأت بیباک جس کے سامنے اکابر علماء کی گردنیں جھک گئی تھیں

---

(۱۲) اگر ایک طرف مولوی شبلی نعمانی کا قلم آزاد خیال طبقے سے خراج عقیدت حاصل کررہا تھا تو دوسری طرف اعلیٰحضرت کا زورِ قلم علماء عرب و عجم کو دعوت فکر دے رہا تھا مگر قلم کی وہ پختہ کاری جو اعلیٰحضرت کی تصنیف و تالیف میں پائی جاتی ہے، وہ دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔

مولوی شبلی نعمانی کی تالیفات میں سے سیرۃ النبی مایۂ ناز تالیف ہے لیکن ارباب فکر و نظر پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ سیرت النبی میں مولانا شبلی نے مسئلہ معراج پر گفتگو کرتے ہوئے نفس روایات کا تسلسل باندھ دیا ہے۔ مگر اس فیصلہ میں اُن کا قلم خاموش ہے کہ رسول محترم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو آیا معراج جسمانی تھی یا روحانی؟ ایک مؤلف کی بہت بڑی کمزوری ہے بلکہ ایسی صورت میں اس کی عدم تحقیق اس کا کتمان حق تصور کیا جاتا ہے اگر سیرت النبی میں واقعات کی فراہمی ہی کو دخل ہوتا تو میں اس مسئلہ کو نہ چھیڑتا لیکن حضور کی ولادت سے متعلق ۹ ربیع الاوّل کی اپنی تحقیق پیش کرنا یا واقعہ ہجرت پر گفتگو کرتے ہوئے غارِ ثور پر کبوتر کے انڈا دینے سے انکار یا معجزہ شق القمر کی روایات پر جرح کرنا وغیرہ وغیرہ اور مسئلۂ معراج میں روایتوں کی فراہمی کے بعد اظہارِ حقیقت میں خاموش رہنا ”کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے،، کا مصداق ہے لیکن اعلیٰحضرت کے قلم میں نقل روایات کے ساتھ محکم اور قوت فیصلہ کی بے پناہ طاقت موجود تھی یہی وہ طاقت ہے جو دوسرے علماء کے درمیان اعلیٰحضرت کو شرف امتیاز بخشتی ہے۔

(۱۳) بات بہت دُور آگئی۔ مقصود صرف یہ ہے کہ اب اعلیحضرت کو ایسے ماحول میں دیکھنا ہے، جہاں وقت کے ممتاز لوگ اپنے اپنے علمی فضل و کمال کی داد لے رہے تھے، البتہ اب تک میں نے جتنے نام پیش کئے ہیں ان میں کسی کو مجدد نہیں کہا گیا، خواہ وہ علامہ شبلی ہوں یا مولانا محمد علی یا حضرت مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ، ان میں سے ایک مورّخ ہے، دوسرا سیاسی لیڈر اور تیسری ذات گرامی متبحر عالم اور شیخ طریقت، ہاں ایک نام باقی رہ گیا جس کو ہندوستان کی ایک مخصوص ٹولی اپنا خانہ ساز مجدد تصور کرتی ہے۔ وہ بہشتی زیور کے مؤلف مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ھیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ تھانوی صاحب کا موازنہ کس حیثیت سے اعلیحضرت سے کیا جائے۔

---

(۱۴) ہاں اگر پیر کی مخالفت کرنے والا مجدد ہو سکتا ہے تو تھانوی صاحب نے مسئلہ میلاد و قیام وغیرہ میں اپنے روحانی باپ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی مخالفت کی ہے، اس نہج سے انہیں مجدد کہا جا سکتا ہے۔ اگر آپ کی اصطلاح میں ایسے مؤلف کو مجدد کہتے ہیں جس کی عبارت میں نہ صرف ایہام توہین بلکہ رسول پاک ﷺ کی کھلی ہوئی توہین ہو تو حفظ الایمان کے مؤلف شاتم رسول جناب تھانوی صاحب کو مجدّد کہا جا سکتا ہے، جس میں سرور کائنات کے علوم غیبیہ کو جانور، پاگل، مجنون سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ اَلعِیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ۔ اگر آپ کی اصطلاح میں مجدد ایسی مصلحت کو کہتے ھیں کہ جب تک زمین سازگار نہ ہو کتمان حق کیا جائے اور اپنے عقائد باطلہ پر پردہ ڈال کر زمین بنائی جائے تو کانپور کی سر زمین پر تھانوی صاحب نے پہلے اسی اصول کو برتا ہے، جیسے جیسے زمین بنتی گئی شرک و بدعت کو رواج دینے لگے۔

اگر آپ کا یہی اصول ہے کہ دین میں نئی بات پیدا کرنے والا مجدد ہے خواہ وہ بدعات و منکرات ہی کو رواج کیوں نہ دیتا

ہو تو مجھے معاف فرمائیے۔ ایسے مجدّد کی پہلی کڑی حضرت عمر بن عبد العزیز کی ذات گرامی نہ قرار پائے گی بلکہ ایسے مجدد کا رشتہ تو ابو جہل اور یزید سے جوڑنا پڑے گا اور اگر تصنیف و تالیف کی کثرت و بہتات پر نگاہ ہے کہ تھانوی صاحب نے بہت سے رسائل لکھے ہیں تو مصنّف اپنے قلم سے پہچانا جاتا ہے اس اصول کے پیشِ نظر اعلیحضرت فاضل بریلوی کے دسترخوانِ کرم کے خوشہ چیں فقیہ اعظم مولانا امجد علی صاحب کی "بہارِ شریعت" اور تھانوی صاحب کی "بہشتی زیور" کا اگر موازنہ کیا جائے تو یہ ادعائے محض نہیں بلکہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ بہشتی زیور کے دس حصے پر بہارِ شریعت کا ایک نسخہ وزنی ہے بلکہ دس حصے کو بہارِ شریعت کے ایک حصّہ سے کوئی نسبت نہیں۔

اب میں آپ کی زبان عدالت کا فیصلہ چاہتا ہوں کہ جس کی معرکتہ الآراء تصنیف بہارِ شریعت کے مقابل نہ لائی جا سکے، وہ فتاویٰ رضویہ کے مقابل کس طرح لائی جا سکتی ہے جس کی ایک ایک سطر میں علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ محفوظ ہے۔ اب آپ ہی بتلائیے کہ اعلیحضرت اور تھانوی صاحب کے درمیان وہ کون سا قدر مشترک ہے جس کی بنا پر ایک دوسرے کے مقابل لایا جا سکے۔ اس لئے جمہور علماء کا باتفاق رائے یہ آخری فیصلہ ہے کہ اعلیحضرت بغیر کسی موازنہ کے اس صدی کے مجدد کامل تھے۔

مگر یہ واضح رہے کہ اس آخری صدی کے مجدد کی شان ہی نرالی تھی۔ پوری زندگی احیائے سنّت اور فرقۂ باطلہ کی تردید میں گزاری مگر نوکِ قلم پر کبھی ایسی بات نہ آئی جس سے اشارۃً و کنایۃً یہ سمجھا جا سکے کہ یہ شخص اپنے کو مجدد کہلانا چاہتا ہے۔ لیکن آج ایسے بھی صاحب قلم ہیں جو اپنی کتاب ہی کا نام "تجدید و احیائے دین" رکھتے ہیں جیسا کہ جناب سیّد ابو الاعلیٰ صاحب مودودی، تاکہ ان کی جماعت کتاب کا نام ہی دیکھ کر انھیں مجدد کہہ سکے۔

—— اے پروردگارِ عالم! جب تک آسمان کے ستاروں میں چمک اور مرغزاروں میں کوئلوں کی کوک اور پپیہا کی ترنم خیز صدائیں گونج رہی ہوں!

—— اے کائنات کے پالن ہار! جب تک سمندر کی روانی اور سطحِ سمندر پر مچھلیوں کا کھیل کود ہو!

—— اے خالقِ کائنات! جب تک کائنات کی چہل پہل اور گردشِ لیل و نہار ہو!

—— اے ربِّ کریم! جب تک صحنِ گلشن میں کلیوں کی مسکراہٹ اور پھولوں کے حسین قہقہے پر بلبلوں کی نوا سنجی ہو! ——————

—————— اس وقت تک

—— آقائے نعمت سیّدی مولائی تاجدارِ اہلسنّت مجدّدِ دین و ملّت حضرت مولانا شاہ عبدالمصطفیٰ

محمّد احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے مزار پُر انوار پر تیرے رحم و کرم کے پھولوں کی بارش ہو!

—————— آمین ثم آمین